ایک یگانہ روزگار محقق کی رحلت

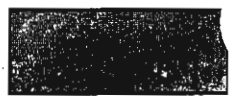

استاد العلماء جامع المعقول والمنقول حضرت مولانا شمس الحق صاحب رحمہ اللہ کئی ماہ کی علالت کے بعد جمعہ ۲۸ ذی الحجہ ۱۴۲۴ھ بمطابق ۲۰ فروری ۲۰۰۴ء کو انتقال کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مندرجہ ذیل مضمون اُن کی علالت کے دوران لکھا گیا تھا، جو روزنامہ اسلام میں ''ایک یگانہ روزگار محقق شفاخانے میں'' کے عنوان سے شائع ہو چکا تھا، حضرت کی مختصر سوانح پر مشتمل یہ مضمون اب کچھ ترمیم کے ساتھ نذر قارئین ہے۔ (مدیر)

دارالعلوم کراچی کے ناظم اعلیٰ، استاذ العلماء حضرت مولانا شمس الحق ؒ چند ماہ کی علالت کے بعد جمعہ ۲۰ فروری ۲۰۰۴ء (۲۸ ذوالحجہ ۱۴۲۴ھ) کو ۷۵ سال کی عمر میں وفات پا گئے،..... وہ ہسپتال میں داخل تھے..... میں ۱۳ جنوری ۲۰۰۴ء بروز منگل ان کی عیادت کے لیے گیا تو وہ غنودگی کے عالم میں تھے، خدام نے بتایا کہ قدرے بہتر ہیں لیکن آواز متاثر ہے، جس شخص کی دبنگ آواز سے دارالعلوم کراچی کے بام و در نصف صدی تک گونجتے رہے اس کی نحافت کا سن کر قلب پر عجیب کیفیت طاری ہوئی، راہِ حیات کے انقلابات ان گنت ہیں اور یہ دنیا واقعتاً جائے عبرت ہے۔ مولانا عالم ہی نہیں بلکہ حقیقی معنوں میں علامہ تھے، وہ درس دیتے تو ان کی باوقار آواز سناٹوں پر رعب طاری کر دیتی تھی، ان کے لہجے میں آبشار کی طرح روانی اور ہواؤں کی طرح بانکپن تھا، وہ کسی موضوع پر بولتے تو علمی بحثیں صحرا کی طرح پھیلتی اور بچھتی چلی جاتی تھیں، وہ برسوں مشکوٰۃ، تفسیر بیضاوی اور سنن ابی داود پڑھاتے رہے، وہ درس گاہ میں درس دے رہے ہوں تو گذرنے والے کے قدم ان کی آواز سن کر رُک رُک جاتے..... مولانا ۱۹۳۰ء میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم انھوں نے مفتاح العلوم جلال آباد میں حاصل کی، یہاں انھوں نے استاذ المحدثین حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب مدظلہم سے دو سال تک پڑھا، پھر جامعہ اشرفیہ لاہور آئے، جامعہ اشرفیہ میں اس وقت حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی اور حضرت مولانا رسول خان صاحب کا یادگار درس ہوتا تھا، یہ ''شیخین'' کے لقب سے معروف تھے اور طالبان علوم نبوت کے قافلے دورۂ حدیث پڑھنے کے لیے یہاں کا رخ کرتے، مولانا نے ۱۹۵۴ء میں یہاں سے سند فضیلت حاصل کی۔ صحیح بخاری مولانا محمد ادریس کاندھلوی صاحب سے اور ابوداود

مولانا رسول خان صاحب سے پڑھی۔ اس وقت امتحان تقریری ہوا کرتا تھا، صحیح بخاری کا امتحان مفتی اعظم پاکستان، مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے لیا، مولانا لکھتے ہیں.....:

''بخاری شریف جلد اول میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیہ شریفہ کی حدیث میں ایک لفظ أزھر اللون آیا۔ تمام جماعت سے اس لفظ کے معنی دریافت فرمائے لیکن کسی نے دل لگتی بات نہ کہی۔ آخر میں احقر سے دریافت فرمایا۔ میں نے اس کا ترجمہ ''کھلے ہوئے رنگ والے'' کیا تو آپ بہت خوش ہوئے اور اسے مکرر ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ ہاں اس کے یہ معنی ہیں اور پھر پچاس نمبر دیے۔ اگلے سال شعبان میں سالانہ جلسہ کے موقع پر سالہائے گزشتہ کے فارغ التحصیل طلبا کی دستار بندی کا جامعہ کی طرف سے اہتمام کیا گیا جس میں دیگر علماء کے علاوہ حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانیؒ اور حضرت مفتی اعظمؒ بھی شریک ہوئے۔ فارغ شدہ طلباء کے سروں پر ان ہی دونوں بزرگوں نے اپنے ہاتھوں سے دستار بندی فرمائی۔ بعض طلباء کو یہ سعادت حضرت مولانا عثمانیؒ سے حاصل ہوئی اور بعض کو حضرت مفتی صاحب سے۔ الحمدللہ بندہ کو اپنا حصہ سعادت حضرت مفتی صاحبؒ کے ہاتھوں میسر آیا۔ شاید یہ تکوینی اشارہ تھا کہ مستقبل میں خدمتِ دین کی راہ میں یہی مبارک ہاتھ میں راہنما اور سرپرست ہوں گے چنانچہ بلاظن و وہم من جانب اللہ ایسے اسباب پیدا ہوتے چلے گئے کہ فراغت کے تیسرے سال بندہ کا دارالعلوم کراچی سے تدریسی تعلق قائم ہوگیا اور اس طرح قریب رہ کر حضرت مفتی صاحبؒ کی ذاتِ گرامی اور آپ کی دینی خدمات اور عظیم خصوصیات کے مشاہدہ کا اللہ تعالیٰ نے موقع عطا فرمایا۔''

۱۹۵۷ء میں وہ دارالعلوم آئے، شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان صاحب اس وقت دارالعلوم کراچی کے استاذ حدیث تھے، ان ہی کا تعارف یہاں مولانا کے آنے کا ذریعہ بنا، اس وقت سے اب تک وہ ہزاروں تشنگانِ علوم کو سیراب کر چکے ہیں، دارالعلوم کراچی کے تقریباً تمام اساتذہ ان کے واسطہ بلاواسطہ شاگرد ہیں، شیخ الاسلام مولانا محمد تقی عثمانی صاحب اور مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی رفیع صاحب کو بھی ان سے شرف تلمذ حاصل ہے۔ مولانا شمس الحق صاحب کا مطالعہ وسیع بھی ہے اور عمیق بھی، گہرائی اور گیرائی کے یہ دونوں وصف بہت کم کسی میں جمع ہوتے ہیں، ان کا علمی استحضار قابل رشک بھی ہے اور حیران کن بھی ہے، وہ ایک زمانے میں ''ناظم تعلیم'' ہونے کی وجہ سے اچانک کسی استاذ کا درس سننے درس گاہ میں آجاتے، استاذ کے سبق میں کوئی تشنگی محسوس کرتے تو متعلقہ مقام کی خود ایسی بے غبار تشریح کرتے کہ طلبہ عش عش کر اٹھتے اور یوں استاذ کو بھرپور تیاری کرنے کا احساس دلا دیتے۔

عالم اسلام کے معروف اسکالر ڈاکٹر حمید اللہ مرحوم ۱۹۹۲ء میں دارالعلوم کراچی تشریف لائے، ڈاکٹر صاحب ایک نابغۂ روزگار شخصیت تھے، انھوں نے اپنی شیریں آواز اور شائستہ لہجے میں بڑی عمدہ تقریر کی، آخر میں سوالات و جوابات کا سلسلہ شروع ہوا، کسی نے سوال کیا کہ آپ نے اپنی ایک کتاب میں موسیقی کو جائز لکھا ہے؟ ڈاکٹر

صاحب مرحوم نے کہا کہ ہاں، خوشی کے موقع پر موسیقی کو میں جائز سمجھتا ہوں اور کوئی صحیح حدیث میری نظر سے ایسی نہیں گذری جس سے موسیقی کا عدم جواز معلوم ہوتا ہو، امام غزالی رحمہ اللہ نے بھی اسے جائز کہا ہے.....اس نشست میں مولانا شمس الحق صاحب بھی تشریف فرما تھے، انھوں نے مائیک لیا اور زبردست مدلل اسلوب میں ڈاکٹر صاحب کی تردید فرمائی، موسیقی کے عدم جواز پر برجستہ عمرو بن قرہ کی وہ حدیث سنائی جس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں آلاتِ موسیقی توڑنے کے لیے کہا تو انھوں نے جواب میں کہا کہ یہ تو میرا ذریعہ معاش ہے، حضورؐ نے فرمایا اللہ نے تمہارا معاش اس میں نہیں رکھا، تم نے خود اسے ذریعہ معاش بنایا.....اور امام غزالی رحمہ اللہ کے بارے میں فرمایا کہ انھوں نے موسیقی کو جائز نہیں کہا البتہ ''احیاء العلوم'' میں صوفیاء کے مخصوص ''سماع'' کو بعض شرائط کے ساتھ جائز لکھا ہے اور امام غزالی کی لکھی ہوئی ان شرائط کی تفصیل بھی بیان فرمائی.....حاضرین، حضرت کا مطالعہ اور استحضار دیکھ کر دریائے حیرت میں ڈوب گئے.....مولانا ایک عرصہ تک حاجی کیمپ اور عالمگیر مسجد میں حجاج کرام کے سامنے مناسک حج بھی بیان کرتے رہے، عالمگیر مسجد کی نشستوں میں احقر بھی جاتا رہا، حضرت اس قدر دلنشین صاف اور واضح اسلوب میں مناسک حج بیان فرماتے کہ حج کا پورا نقشہ نظروں میں سما جاتا۔

مولانا شمس الحق صاحب کی کوئی تصنیف اب تک چھپ کر منظر عام پر نہیں آئی، البتہ ان کی بعض کتابوں کی درسی تقاریر ضبط تحریر میں لا دی گئی ہیں اور طلبہ کے ہاں فوٹو کاپیوں کی صورت میں مقبول ہیں، ان کے درس مشکوٰۃ کی تو کئی سال پہلے کتابت بھی ہو چکی تھی اور حضرت نے اس پر نظر ثانی بھی کی تھی، معلوم نہیں کہ اب تک کیوں منظر عام پر نہیں آئی، ان کی سنن ابی داود کی تقریر بھی دوران درس کسی طالب علم نے لکھی ہے اور حضرت اس کے اکثر حصے پر نظر ثانی بھی کر چکے ہیں، وہ زیر طبع ہے، علوم القرآن پر ان کا تحریر کردہ ایک مختصر اور جامع رسالہ دار العلوم کی لائبریری میں مسودہ کی شکل میں محفوظ ہے، اللہ کرے حضرت کی یہ علمی یادگاریں، کتابی صورت میں سامنے آجائیں، تاکہ ان سے استفادہ عام ہو سکے۔

حضرت مولانا شمس الحق خان صاحب رحمہ اللہ سے اس ناکارہ کو تفسیر میں بیضاوی اور حدیث میں طحاوی اور سنن ابی داود پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی، ان کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ امتحان کا جو پرچہ ان کے پاس ہوتا، وہ بہت اہتمام کے ساتھ تمام طلبہ کے امتحانی پرچے خود دیکھا کرتے تھے، بعض بڑے اساتذہ مصروفیات اور اعذار کی وجہ سے امتحانی پرچے عموماً کسی اور کے حوالے کر دیتے ہیں لیکن حضرت مصروفیات اور بیماری کے باوجود تمام پرچے خود دیکھنے کا اہتمام کیا کرتے تھے، ان کی کتابوں میں عموماً سب سے زیادہ نمبر اس ناکارہ ہی کے ہوا کرتے تھے۔

دورہ حدیث سے فراغت کے بعد جب میں جامعہ فاروقیہ آیا تو حضرت سے کئی عرصہ ملاقات نہیں ہو سکی، سال کے آخر میں ''بزم فاروقیہ'' کا ایک اجلاس تھا جس کے مہمان خصوصی مولانا شمس الحق صاحبؒ تھے، وہ یہاں تشریف لائے تو یہ ناکارہ ملنے کے لیے گیا، خیال تھا کہ حضرت بھول گئے ہوں گے، اور تعارف کرانا پڑے گا لیکن ان کا حافظہ غضب کا تھا، دور سے ہی دیکھ کر مولانا ڈاکٹر محمد عادل خان صاحب سے فرمایا ''یہ شخص بڑا بے وفا ہے، جب سے آیا

ہے، اس وقت سے نہیں ملا ہے''.....اس کے بعد حضرت سے رابطہ کی کوشش کرتا رہا، گذشتہ سال ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو فرمایا کہ ''کشف الباری'' کے حصہ ثانی کی ساری جلدیں میرے پاس نہیں ہیں، اگلے دن ان کی خدمت میں وہ چار جلدیں اور کچھ دوسری کتابیں لے کر حاضر ہوا، دعائیں دیں اور رخصت ہوا تو حاشیہ خیال میں بھی نہیں تھا کہ علم وتحقیق کی یہ رونق اب زیادہ دیر نہیں رہے گی، وہ دور سے بہت بارعب اور پر ہیبت لگتے تھے، لیکن قریب میں جا کر ان کی شفقت ومحبت کی لو محسوس ہونے لگتی تھی۔

زبان وبیان کی طرح ان کی تحریر میں بلا کی روانی، چاشنی اور برجستگی تھی، گو انہوں نے تحریر وتصنیف کو زیادہ وقت نہیں دیا لیکن وہ ایک قادر الاسلوب اہل قلم بھی تھے، یہاں ان کی تحریر سے صرف ایک اقتباس نقل کیا جاتا ہے، حضرت مولانا محمد عاشق الٰہی بلند شہری رحمہ اللہ کی وفات پر اپنے تاثراتی مضمون میں لکھتے ہیں:

''حضرت مولانا مفتی محمد عاشق الٰہی صاحب بلند شہری.....اپنی دیرینہ تمنا ومراد کو پہنچے اور بحسن وخوبی پہنچے، اپنا گوہر مطلوب پالیا اور خوب پایا، دیار حبیب، جوار رسول صلی اللہ علیہ وسلم، ارض مدینہ اور خاک بقیع الغرقد، ان کی زندگی کی سب سے بڑی تمنا وآرزو تھی، کیا اخلاص اور مبارک تمنا تھی اور کیا نصیب تھے کہ جان، جان آفریں کے سپرد کرنے کے لیے ماہ رمضان المبارک ملا، حالت صوم نصیب ہوئی، نماز جنازہ زائرین حرم اور مسجد نبوی میں صلوۃ التراویح پڑھنے والے لاکھوں مقبول، بندگان خدا نے پڑھی اور سینکڑوں علماء صلحاء کی مشایعت میں جا کر آغوش جنت البقیع میں آسودہ خواب ہوئے.....اللہ تعالیٰ اس مرد قلندر کو ہر پہلو جنت کے روح دریحان نصیب فرمائے، کتنی سادہ اور پھوکی پھوکی باتیں ہوتی تھیں اور کیا پیاری ادائیں تھیں، لیکن ہر ادا اور تڑپ سے اخلاص ومحبت کی شیرینی اور دینی حمیت ٹپکتی ہوئی محسوس ہوتی تھی، یہی ان کی ہر دل عزیزی کا بڑا راز تھا.....''

مولانا تو ویسے گذشتہ بیس پچیس سال سے علیل تھے اور کسی دشمن کے سحر کی اذیتیں سہہ رہے تھے، لیکن گذشتہ دو تین ماہ سے انہیں گلے میں تکلیف ہوگئی تھی، سانس اور غذا لینے میں دقت تھی، اللہ تعالیٰ نے انہیں بھی بڑا مبارک دن نصیب فرمایا، جمعہ کے دن، ظہر کے وقت برسوں کے بیمار جسم کو ان کی بے تاب اور تڑپتی روح نے الوداع کہا، نماز عشاء کے بعد دار العلوم میں جنازہ تھا جس میں علماء، صلحاء، شیوخ الحدیث اور علوم دینیہ کے طلبہ ہزاروں کی تعداد میں شریک تھے، نماز جنازہ کے بعد انہیں دار العلوم کے قدیم قبرستان میں دفن کیا گیا اور یوں مدت کے بے قرار کو قرار آ ہی گیا۔

اللہ تعالیٰ حضرت کی مغفرت فرمائے، ان کی تربت کو آماجگاہِ رحمت بنائے اور دار العلوم وپسماندگان کو ان کا بدل عطا فرمائے.....فلک برسوں پھرتا ہے تب کہیں خاک کے پردے سے ایسے نادرِ روزگار محققین جنم لیتے ہیں!

☆☆☆